شجاع الدین فاروقی

ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی

۵۔ افواہیں اور پیشین گوئیاں: مختلف افواہوں اور پیشین گوئیوں نے بھی ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ نجومیوں کی اس پیشین گوئی پر عوام و خواص کو یکساں یقین کامل تھا کہ کمپنی کی حکومت سو سال کیلیے تھی اور وہ سو سال ۱۷۵۷ء سے شروع ہو کر ۱۸۵۷ء پر ختم ہو جاتے ہیں۔ ایران کا بادشاہ مغلیہ حکومت کو بچانے آرہا ہے۔ زار روس انگریزوں کو مٹانے کے لیے جلد ہی آنے والا ہے۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری افواہوں نے بھی عوام کے جوش و خروش کو بہت بڑھا دیا تھا اور وہ جلد سے جلد انگریزی اقتدار کے خاتمے کے لیے کوشاں تھے۔

۶۔ فوجی اسباب: انگریزوں نے ہندوستان میں تمام فتوحات ہندوستانی سپاہیوں کی مدد سے حاصل کی تھیں۔ انگریزی افواج کی تعداد ۳ لاکھ سے بھی زائد تھی جن میں صرف پچاس ہزار یورپین تھے لیکن ہندوستانی سپاہیوں کیساتھ انتہائی حقارت و بے عزتی کا سلوک کیا جاتا تھا۔ تمام بڑے عہدے صرف انگریزوں کے لئے مخصوص تھے ہندوستانی سپاہی کو بہت ہی قلیل تنخواہ دی جاتی تھی اور ان کی مالی حالت بہت ابتر تھی جب کہ انگریز سپاہیوں کو ان سے کئی گناہ زیادہ تنخواہ اور ہر قسم کا آرام و آسائش اور

مراعات حاصل تھیں۔ہندوستانی سپاہی کو معمولی سے جرم پر سخت سزادی جاتی تھی ۱۸۵۶ء میں جارج بارلو نے ہندوستانی فوجیوں کے تلک لگانے۔ داڑھی رکھنے اور پگڑی باندھنے پر بھی پابندی لگانے کی کوشش کی تھی۔ہندو سمندری سفر کو اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے تھے۔ مگر انہیں بھارت سے باہر جانے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ فوج میں ذات برادری کے امتیاز کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور سب کو ایک ساتھ کھانا کھانے پر مجبور کیا جانے لگا۔ان سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستانی سپاہیوں کو ایسے کارتوس دیے گئے جن میں گائے اور سور کی چربی لگی ہوئی تھی۔ اور انہیں منہ سے کاٹنا پڑتا تھا۔یہ چیز ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے مذہب کو برباد کرنے والی تھی۔ اسی لیے فوجیوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ میلی سن کہتا ہے:

"وہ باربار کہتے تھے کہ ہم نے اور ہمارے اجداد نے انھیں پرانی بندوقوں سے ہندوستان مسخر کیا پھر اب نئی بندوقوں کی کیا ضرورت ہے"۔ [۲۰]

"We and our fathers have conquered Hindustan the Present musket, what is the use of a New one"

ہندوستانی سپاہیوں کے احتجاج کی کوئی پرواہ نہیں کی گئی۔ بلکہ احتجاج کرنے والوں اور کارتوس نہ کاٹنے والوں کو بے عزت کرکے پھانسی کے پھندے پر چڑھادیا گیا۔ بالآخر یہی کارتوس بغاوت کا وقتی سبب بن گئے۔

غرض یہ کہ حالات اس موڑ پر پہنچ گئے تھے۔ کہ تمام ہندوستانی یا تو خاموش تماشائی رہ کر خودکشی کر لیتے یا ان کے خلاف جدوجہد کرکے زندگی کا ثبوت دیتے۔بہر حال انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔سرسید کے بقول۔ باغی یہ کہتے تھے اگر ہم یہ نہ کرتے تو کیا کرتے ایک نہ ایک دن سرکار ہم کو تباہ کر دیتی"۔ [۲۱]

واقعات وحادثات:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ابتدا بظاہر ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاونی میں چربی لگے کارتوسوں کے قضیے کو لیکر فوجیوں کی بغاوت ہوئی

مگر اس کی تیاریاں اور منصوبے بڑے ہی خفیہ طریقے سے برسوں سے جاری تھے ۱۸۴۵ء میں پٹنہ میں انگریزوں کے خلاف ایک زبردست سازش کا پتہ چلا - یہ سازش بڑی ہمہ گیر تھی - اور اس میں فوجی افسران کے ساتھ امراء و جاگیردار بھی شریک تھے لیکن راز افشا ہو جانے پر یہ ناکام رہی سرچارلس نیپیر کے بیان کے مطابق جنوری ۱۸۵۰ء میں ہی پنجاب کی چالیس ہزار فوج میں باغیانہ رجحان موجود تھے - ۲۲ انگریزوں کو اس کا احساس اچھی طرح ہو گیا تھا خود لارڈ ڈلہوزی نے اپنے ظلم و ستم کے انجام کو سمجھتے ہوئے فروری ۱۸۵۶ء میں کلکتہ میں کہا تھا - "کوئی سمجھدار شخص جو مشرقی معاملات کا ذرا بھی علم رکھتا ہو ہندوستان میں زیادہ دیر تک قیام امن کی پیشین گوئی نہیں کرسکتا" ۲۳

محب وطن ہندوستانیوں کی بہت سی خفیہ جماعتیں انگریزی اقتدار کے خاتمے اور مکمل انقلاب کے لیے کوشاں تھیں اسی سلسلے میں ۱۸۵۷ء کی ابتدا میں فوج اور عوام میں پراسرار قسم کی چپاتیاں بطور نشانی تقسیم کی گئیں - اسی طرح کنول کے پھول بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ گھمائے گئے - نانا صاحب - مولوی احمد اللہ شاہ اور عظیم اللہ خان نے خاموشی سے ملک کے دور دراز علاقوں کا سفر کر کے انقلاب کی فضا ہموار کی - بہت سے مولوی - پنڈت - فقیر اور سادھو سنیاسی بغاوت کے بیج بونے میں مصروف تھے - باثر علماء جہاد کی اہمیت و فضیلت پر جگہ جگہ وعظ کر رہے تھے - مگر یہ سب سرگرمیاں اس قدر خاموشی سے جاری تھیں کہ انگریز جیسی شاطر اور عیار قوم بھی ان کا پتہ نہ لگا سکی - جارج گرانٹ جیکب کو اعتراف ہے :

"یہ بتانا مشکل ہے کہ کس حیرت انگیز طور پر یہ تمام سازش پھیلائی گئی - اور طے شدہ اسکیم کا پرچار کیا گیا - سازشی گروہ کس قدر ہوشیاری سے اپنا کام کر رہا تھا؟ آپس کے تعلقات کو خفیہ رکھ کر اپنے مقصد کے لیے کافی ہدایات فراہم کی جاتی تھیں - یہ تمام کام نہایت وفاداری سے انجام پاتے تھے جوان کو ایک دوسرے سے وابستہ کیے ہوئے تھی"

تمام رہنماؤں کی متفقہ رائے سے بغاوت کیلیے ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کی تاریخ مقرر کی گئی تھی مگر میرٹھ چھاؤنی میں اس کی ابتدا ۱۰ مئی کو ہی ہوگئی وجہ یہ تھی کہ چربی لگے کارتوس نہ کاٹنے پر ۸۵ ہندوستانی افسران کا کورٹ مارشل کر کے انہیں بری طرح ذلیل و رسوا کیا گیا ہندوستانی سپاہی اپنے

افسران کی اس شدید بے عزتی کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے وقت سے پہلے ہی بغاوت کی ابتدا کر دی۔

میرٹھ میں انگریزوں اور انگریزی اقتدار کا خاتمہ کرنے کے بعد یہ سپاہی ۱۱ مئی کو دہلی پہنچ گئے۔ میرٹھ میں بغاوت کی اطلاع ملتے ہی ملک کے مختلف علاقوں میں انگریزی اقتدار کا خاتمہ کر کے جنگ آزادی کا بگل بجا دیا گیا۔ میرٹھ کے قریبی اضلاع بلند شہر، بجنور، مظفر نگر، سہارنپور، رڑکی وغیرہ میں بغاوت کے شعلے تیزی سے بھڑک اٹھے مگر بغاوت کے خاص مراکز دہلی، روہیل کھنڈ، اودھ، کانپور، بہار اور وسطی ہند کے علاقے تھے۔

دہلی: سینکڑوں سال سے مرکز ہونے کی بنا پر دلی تو ہندوستان کا دل تھا۔ اس لیے جنگ آزادی میں بھی اسکو کلیدی اہمیت حاصل رہی میرٹھ کے سپاہ نے دہلی پہنچ کر بہادر شاہ سے رہنمائی کی درخواست کی۔ دہلی میں انگریزوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ انگریزی دفاتر اور عمارتیں برباد کر دی گئیں۔ اور بہادر شاہ کی بادشاہی کا اعلان ہو گیا۔ شہر کی آزادی پسند عوام بھی ان کے ساتھ ہو گئے یوں دیکھتے ہی دیکھتے دہلی سے انگریز کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ مغل شہزادے مرزا مغل فوجوں کے کمانڈر انچیف اور مرزا خضر سلطان مرزا ابو بکر۔ مرزا عبداللہ وغیرہ انقلابی فوج کے سردار مقرر کیے گئے۔ چاروں طرف سے باغی فوجیں دہلی آرہی تھیں۔ اور دہلی بغاوت کا سب سے بڑا مرکز بنتا جا رہا تھا۔ ادھر انگریز بھی تیاریوں میں مشغول تھے۔ انہوں نے پنجاب کی سکھ ریاستوں پٹیالہ۔ نابھ۔ جنید وغیرہ کی مدد سے ۲۵ مئی کو انبالہ سے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ راستہ بھر وہ ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں کا قتل عام کرتی رہیں۔ جون کے پہلے ہفتہ میں انگریزی افواج نے دلی کے قریب کی پہاڑیوں پر مورچے جما لیے۔ اب انقلابیوں اور انگریزی افواج میں باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔

۲ جولائی کو ہندوستانی سپاہ کا سب سے لائق افسر صوبہ دار بخت خان اپنے چودہ ہزار لشکر کے ساتھ بریلی سے دہلی آیا۔ بخت خان کی آمد سے قبل دہلی میں انتشار و افتراق اور بد نظمی کا دور دورہ تھا۔ ہر طرف لوٹ مار اور افراتفری مچی ہوئی تھی۔ خود مغل شہزادوں نے بڑا

اودھم مچا رکھا تھا۔ انہوں نے کبھی جنگ وجدال خواب میں نہ دیکھی تھی۔ ان کی نااہلی اور فنون جنگ سے ناواقفیت نے انقلابی فوجوں میں شدید قسم کا انتشار اور بدنظمی پیدا کر دی تھی۔ بخت خان کی آمد کے بعد تمام بے ہودگیوں کا خاتمہ ہوا۔ بہادر شاہ نے کل انتظامات اس کے سپرد کر دیے اور اسے لارڈ گورنر کا خطاب دیا اور ایک دن میں تمام بدانتظامیوں کا خاتمہ کر کے شہر میں مکمل امن وانتظام قائم کر دیا۔ اس نے لوٹ مار کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں اور ذبیحہ گاؤ پر پابندی لگا کے ہندوؤں کا دل جیت لیا۔ بے لگام فوجوں کو قابو میں کیا۔ اور جدید طریقوں سے جنگ شروع کی۔ وہ مجاہدین ۱۸۵۷ء کا سب سے لائق افسر تھا۔ انگریزوں نے بھی اسکی جنگی صلاحیت اور لیاقت کی تعریف کی ہومر کہتا ہے:

”وہ بڑا قابل اور ہوشیار صوبیدار تھا“، خواجہ حسن نظامی کے الفاظ میں:

”بخت خان ایک ایسا لائق افسر تھا کہ اگر اس کے کاموں میں مزاحمت نہ کی جاتی تو وہ آخر زمانہ کا سب سے بڑا فاتح ہوتا اور ہندوستان کا بچہ بچہ اس کے نام پر فخر کرتا .... ان کے حملے نہایت دلیرانہ اور پوری باقاعدگی اور فوجی اصول کے ساتھ ہوتے تھے جس نے انگریزی افواج کے چھکے چھڑا دیے تھے۔“

”دلّی کی جانکنی“ میں خواجہ صاحب اس کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

”قسمت نے بخت خان کو ناکام رکھا ورنہ عجب نہیں تھا کہ وہ ہندوستان کا تاجدار بن جاتا اور انگریزوں کو ملک سے خارج کرنے کے بعد تیموریوں کی کمزور ہستی کو بھی درمیان سے دور کر دیتا اور دوسرا شیر شاہ تاریخوں میں لکھا جاتا۔“

ابتدا میں تو انقلابیوں کا پلڑا بھاری تھا اور انگریز صرف مدافعت پر مجبور تھے۔ مگر رفتہ رفتہ جنگ کا پانسہ پلٹتا چلا گیا۔ مغل شہزادے بخت خاں سے حسد کرتے تھے اور اس کے ہر کام میں روڑے اٹکاتے تھے حکیم احسن اللہ خاں اور مرزا الٰہی بخش جیسے نہ جانے کتنے غدار خود قلعہ میں موجود تھے۔ جو انقلابیوں کی ایک ایک بات انگریزوں کو پہنچا رہے تھے۔ انگریزوں نے روپیہ کا لالچ دیکر سینکڑوں لوگوں کو خرید لیا تھا۔ ایسے ہی ایک غدار نے انقلابیوں کا بارود خانہ اڑا دیا تھا جس سے توپیں وغیرہ

بیکار ہوگئیں۔ انقلابی فوجوں کو روپیہ کی کمی کی وجہ سے تنخواہیں بھی نہ دی جاسکیں جس سے اُمیں سخت بددلی اور مایوسی پھیل گئی۔ ان سب حالات نے مل کر انقلابیوں کی شکست کا سامان فراہم کر دیا۔ بالآخر ۱۴ ار دسمبر ۱۸۵۷ء کو انقلابی پسپا ہونے پر مجبور ہوئے اور دہلی پر پھر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا لیکن آزادی پسندوں نے دہلی کے چپہ چپہ کے لیے جنگ کی سب سے زبردست معرکہ جامع مسجد پر ہوا۔ ایک موقع پر نمازیوں نے اپنی تلواروں سے اس قدر شدت سے حملہ کیا کہ انگریزی بندوقیں بھی کام نہ کرسکیں اور انگریز پسپا ہو کر کشمیری دروازہ کی طرف بھاگ گئے۔ کالن کیمپبل کہتا ہے کہ "اگر مجھ کو کمک مل جاتی اور بارود کے تھیلے میرے پاس آجاتے تو میں جامع مسجد کو ضرور اڑا دیتا"

دہلی کی شکست کے بعد بہادر شاہ ہمایوں کے مقبرے چلے گئے۔ اس موقع پر بھی جنرل بخت خاں نے ہمت نہ ہاری اس نے بہادر شاہ سے کہا:

"اگرچہ انگریزوں نے دلی شہر کو لے لیا ہے لیکن اس سے ہمارا بہت کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا تمام ہندوستان ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہر شخص کی نظر آپ کی ذات اور آپ کے حکم پر لگی ہوئی ہے۔ حضور کچھ تردد نہ فرمائیں میرے ساتھ تشریف لے چلیں میں پہاڑوں میں بیٹھ کر ایسی مورچہ بندی کروں گا۔ کہ انگریزوں کا فرشتہ بھی وہاں نہ آسکے گا دلی پایۂ تخت ہے۔ فوجی قلعہ نہیں ہے۔ لڑائیوں کے لیے ایسے مقامات مناسب نہیں ہوتے۔ چند مہینے جو ہم نے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور شہر کو بچائے رکھا یہ بھی کچھ معمولی بات نہیں ہے۔ ہمارا شہر نشیب میں تھا۔ اور انگریز پہاڑی پر تھے کوئی ناتجربہ کار فوج بھی پہاڑی جیسے مضبوط مورچہ پر ہوتی تو اسکو بھی دلی فتح کرنا کوئی دشوار نہ تھا۔"

جنرل بخت خاں نے بہادر شاہ کو ہر طرح سمجھایا۔ بابر اور ہمایوں کی اولوالعزمیوں کی مثالیں دیں مگر بہادر شاہ بابر اور ہمایوں کے وارث ضرور تھے۔ لیکن ان جیسی دلیری، ہمت اور عزم سے خالی تھے۔ ادھر مرزا الٰہی بخش انگریزوں کی طرف سے اس بات پر مامور تھے کہ کسی طرح بخت خاں کے ساتھ بادشاہ کو نہ جانے دیں۔ مرزا نے بہادر شاہ کو خوب سبز باغ

دکھئے۔ گرمی۔ برسات اور ضعیفی کی پریشانیوں سے ڈرایا اور کہا۔

"میں انگریزوں سے ملکر تمام معاملات کی صفائی کرادوں گا اور آپ پر اور آپ کی اولاد پر ایک حرف نہ آنے دوں گا۔ سلطنت کا انجام جو کچھ ہو آپ کی پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں جائیگی۔"

مرزا الٰہی بخش نے بخت خاں سے تکرار کرتے ہوئے یہاں تک کہدیا:

"ظلِ سبحانی کو اس سخت موسم اور بڑھاپے کی حالت میں آپ کیا محض اس وجہ سے لے جاتے ہیں کہ ہندوستان کی بادشاہی آپ کو مل جائے اور صدیوں کا انتقام مغلوں سے لیا جائے جنھوں نے پٹھانوں کی سلطنت تلوار کے زور سے چھینی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بھی پٹھان ہیں اور پٹھان سیکڑوں برس تک کینہ کو نہیں بھولتے۔"

مرزا الٰہی بخش کی سُن کر بخت خاں اس قدر بگڑا کہ شاید اسے ہلاک کر ڈالتا مگر بادشاہ نے روکا اور کہا:

"بہادر مجھے تیری ہر بات کا یقین ہے اور میں تیری ہر رائے کو دل سے پسند کرتا ہوں مگر جسم کی قوت نے جواب دے دیا ہے اس لیے میں اپنا معاملہ تقدیر کے حوالے کرتا ہوں مجھکو میرے حال پر چھوڑ دو اور بسم اللہ کرو یہاں سے جاؤ اور کچھ کام کرکے دکھاؤ۔ میں نہیں، میرے خاندان میں سے نہیں، نہ سہی تم یا اور کوئی ہندوستان کی لاج رکھے۔ ہماری فکر نہ کرو۔ اپنے فرض کو انجام دو۔"

بخت خاں بہادر شاہ کے جواب سے مایوس ہو کر معہ فوج دہلی سے روانہ ہو گیا۔ ادھر بہادر شاہ کو میجر ہڈسن نے گرفتار کر لیا۔ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، مرزا ابوبکر شہزادگان مغلیہ کو قتل کرکے ان کے سر بہادر شاہ کے سامنے پیش کیے گیے۔ میجر ہڈسن نے شہزادوں کو قتل کرکے ان کا خون بھی پیا۔ اس کے بعد دہلی پر قیامت نازل ہوئی۔ ہزارہا آدمی قتل کر دیے گئے۔ باقی شہر سے نکال دیے گئے۔ شہر سے باہر جانے والوں کو گوجروں اور میواتیوں نے بُری طرح لوٹا اور مارا۔ سیکڑوں بچے اور بوڑھے بھوک پیاس سے مر گئے۔ ہزارہا عورتوں نے کنوؤں میں ڈوب کر

اپنی عصمت کی حفاظت کی۔ مسلمان سکھوں اور انگریزوں دونوں کے عتاب میں تھے کوچہ چیلان کا ہر مرد مارا گیا۔ کیونکہ اس گلی میں ایک انگریز مارا گیا تھا۔ مجاہدین آزادی کی تباہی و بربادی میں غیروں سے زیادہ خود اپنوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مرزا کالے جو بہادر شاہ کا بھتیجا تھا۔ سب سے بڑا مخبر بن گیا تھا اس نے ہزاروں بے گناہوں کو پھانسی دلائی۔ مرزا محمود شاہ ایک بوڑھے اور گٹھیا کے مریض شہزادے تھے، انہیں بھی پھانسی ہوئی۔ مرزا قیصر اس قدر بوڑھے تھے کہ ان کے ہوش و حواس بھی درست نہ رہے تھے۔ مگر وہ بھی پھانسی سے نہ بچ سکے انگریزوں کے لیے ہندوستانیوں کی پھانسی تفریح و دل لگی کا سامان تھی۔ روزانہ شام کو چوراہوں پر کرسیاں بچھوا کر بیٹھ جاتے تھے اور ہندوستانیوں کے تڑپ تڑپ کر جان دینے سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ وحشت و بربریت اور درندگی کا یہ عالم تھا کہ بوڑھی ماؤں کے سامنے ان کے بیٹوں کو پھانسی دی جاتی تھی۔ آدھے لوگ کھڑے پھانسی کے منتظر ہوتے اور بقیہ پھانسی کے پھندے کو چوم رہے ہوتے تھے۔

لوٹ مار کی انتہا کر دی گئی۔ زمینیں کھود کر دفینے بھی نکال لیے گئے۔ پرائز ایجنسی کا ایک محکمہ تیار ہوا جہاں لوٹ کا مال جمع کیا جاتا تھا۔ جامع مسجد کی زبردست بے حرمتی کی گئی۔ اسے سکھ اور انگریز فوجیوں کی بیرک بنا دیا گیا جہاں انہوں نے سؤر کا ٹکر پکائے زیادہ تر انگریزوں کا یہ اصرار تھا۔ کہ اسے یا تو ڈھا دیا جائے یا گرجا بنا دیا جائے مگر جان لارنس کی تنہا کوششوں سے یہ ناپاک عزائم پورے نہ ہو سکے شیعوں کی نواب حامد علی خاں کی مسجد میں گدھے باندھے گئے۔ زینت المسجد کو گوروں کا مسکوٹ گھر بنا دیا گیا۔ قلعہ کے نیچے اکبر آبادی مسجد اور سینکڑوں چھوٹی مساجد مسمار کر دی گئیں۔

زیادہ تر انگریزوں کے خیال میں مسلمان ہی اس ہنگامے کے اصل مجرم تھے اس لیے وہ ہی سب سے زیادہ عتاب کے شکار تھے۔ مسلمان ہونا ہی کسی شخص کی سزائے موت اور پھانسی کیلئے کافی سمجھا جاتا تھا۔ بقول سرسید:

"کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانے میں نہ ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی، گو وہ رام دین اور ماتا دین ہی نے کی ہو۔ کوئی بلا

آسمان پر سے نہیں چلی جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔"

روہیل کھنڈ:

دہلی کے قریب روہیل کھنڈ کا علاقہ جدوجہد آزادی میں سب سے زیادہ پرجوش اور پیش پیش رہا۔ اس علاقہ نے ایک سال سے زیادہ انگریزوں کو پریشان رکھا اور سب سے آخر میں غلامی قبول کی۔

روہیل کھنڈ میں پروگرام کے مطابق ہی ۳۱ مئی کو بغاوت کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے انگریزی اقتدار کا جنازہ نکال دیا گیا۔ وی۔ ڈی۔ ساور کے الفاظ میں:

"پورا صوبہ روہیل کھنڈ ایک دن میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بریلی شاہ جہاں پور، مراد آباد، بدایوں اور دوسرے شہروں میں فوج پولیس اور شہریوں نے آزادی کا اعلان کر دیا اور چند گھنٹے میں برطانوی اقتدار کا خاتمہ کر دیا........ یہ غیر معمولی انتقالِ اختیارات پورے صوبہ میں چند گھنٹوں میں ہی عمل میں آگیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ پورے روہیل کھنڈ کو آزاد کرنے میں سودیشی خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا۔"

بریلی کا انتظام حکومت خان بہادر خان نے سنبھالا، دیوان شوبھا رام ان کے وزیر اعظم مقرر کیے گئے بخت خان کو فوج کے ساتھ دہلی بھیج دیا گیا۔ چاروں طرف سے بھاگ کر انگریز نینی تال میں جمع ہو گئے تھے۔ خان بہادر خان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح انہیں وہاں سے نکالا جائے مگر نواب رامپور اور گورکھوں کی غداری کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔ صوبہ میں ہندو مسلم منافرت پیدا کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی گئی اور راجپوتوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا گیا۔ بجنور کے چودھریوں نے تو مسلم کشی میں خوب حصہ لیا۔ مراد آباد میں نواب مجو خان نے انقلابیوں کی قیادت کی اور انتظام حکومت سنبھالا مگر نواب رامپور کی بار بار کی مداخلت کی وجہ سے انہیں خاص کامیابی نہ ہو سکی زیادہ تر آپسی جھگڑے ہی ہوتے رہے۔

بجنور میں نواب نجیب الدولہ کے پرپوتے نواب محبوب خان نے اقتدار سنبھالا گوجروں نے لوٹ مار شروع کردی۔ ضلع کے چودھری بھی انگریزوں اور ان کے کاسہ لیسوں کے چڑھائے ہیں باغی ہوگئے اور مسلمانوں کا قتل عام کرنے لگے۔ نواب نے انگریزی حکومت کے کارکنوں سید احمد خاں، رحمت اللہ خاں، تراب علی، پنڈت رادھا کرشن، بخشی رام وغیرہ کو ان کے عہدوں پر بحال رکھا۔ اور ان سے انتظام حکومت میں مدد چاہی مگر ان لوگوں نے انگریزوں کی وفاداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بقول سید احمد خاں:

"نواب نے ہم کو کہا کہ تم سب اپنا اپنا کام کرو۔ اس وقت میں نے سید تراب علی تحصیل دار اور پنڈت رادھا کرشن ڈپٹی انسپکٹر نے باہم مشورہ کیا اور آپس کی ایک کمیٹی بنائی اور یہ تجویز کی کہ ہم میں سے کوئی شخص کوئی کام نہ کرے اور جب تک باہم کمیٹی کے صلاح نہ ہولے چنانچہ اسی وقت کام کرنے کے باب میں یہ رائے ٹھہری کہ میر سید تراب علی تحصیلدار بجنور، جو ضروری حکم نواب کا پہنچے اس کو لاچار تعمیل کریں اور باقی احکام سب ملتوی پڑے رہنے دیں اور باقی مال گذاری بجز اس قدر روپیہ کے جس سے تنخواہ عملہ تحصیل وتھانہ تقسیم ہوجائے اور کچھ وصول نہ کریں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بخشی رام تحویل دار کی معرفت کہ وہ خیرخواہ سرکار اور ہم راز تھا جو مال گذار آیا اس کو فہمائش کی کہ روپیہ مت دے"

اس طرح کے آستین کے سانپوں کی موجودگی میں کسی تحریک کے کامیاب ہونے کی امید فعل عبث ہی ہے۔ نتیجہ وہی ہوا۔ ان لوگوں کی انگریز پرستی رنگ لائی اور یہ علاقہ پھر سے انگریزوں کی غلامی میں جکڑا گیا۔

بہرحال روہیل کھنڈ کے لیے یہ بات لائق فخر ہے کہ اس علاقہ نے سب سے زیادہ سخت جانی کا ثبوت دیا۔ دہلی صرف چار ماہ اور چار دن ہی آزاد رہ سکی۔ کانپور اور لکھنؤ و اودھ بھی زیادہ دن تک انگریزوں کا مقابلہ نہ کرسکے۔ ملک کے دوسرے علاقے بھی چند ماہ ہی آزادی کے ثمرے سے لطف اندوز ہو سکے۔ مگر روہیل کھنڈ نے ۱۸۵۹ء تک انگریزوں کو قابو نہ دیا۔ آزادی کی آخری جدوجہد بھی اسی علاقے میں کی گئی۔ شکست کے بعد تمام انقلابی لیڈر جیسے نانا صاحب، بخت خاں، بیگم حضرت محل، شہزادہ فیروز شاہ، مولوی احمد اللہ شاہ، عظیم اللہ خان وغیرہ سبھی روہیل

کھنڈ میں جمع ہو گئے تھے۔ اور یہیں آخر تک غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے میں مصروف رہے مگر ناکامی مقدر ہو چکی تھی۔ کچھ لوگ بھاگ کر نیپال کے جنگلوں میں چلے گئے۔ کچھ جنگ میں کام آئے اور کچھ گرفتار ہو کر پھانسی پا گئے یا حبس دوام کے لیے کالے پانی بھیج دیے گئے۔

کانپور:

کانپور بھی جدوجہد آزادی کا ایک اہم مرکز تھا یہاں باجی راؤ پیشوا کا متبنّٰی بیٹا نانا صاحب اور عظیم اللہ خان آزادی پسندوں کے رہنما تھے۔ اعلان آزادی کے بعد یہاں بہادر شاہ کے نمائندے کی حیثیت سے نانا صاحب کو تخت نشین کیا گیا۔ مگر جلد ہی ہیولاک کی فوجوں نے کانپور پر قبضہ کر لیا۔ اور روایات کے مطابق ہندوستانیوں پر بے پناہ مظالم کیے۔ نانا صاحب کے ایک ساتھی تانتیا ٹوپے نے کئی بار کانپور پر قبضہ بھی کیا۔ مگر بالآخر پسپائی ہی آزادی پسندوں کا مقدر بنی

لکھنؤ اور اودھ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کا بہت ہی اہم مرکز تھا یہاں آخری تاجدار اودھ کی ملکہ بیگم حضرت محل انقلابیوں کی رہنمائی کر رہی تھیں اور ان کی مدد کے لیے مولوی احمد اللہ موجود تھے۔ اعلان آزادی کے بعد مرزا برجیس قدر کو تخت نشین کیا گیا اودھ کے بہت سے امراء اور تعلقداران کے گرد جمع ہو گئے۔ اور شمع آزادی کی لو بڑھانے لگے۔ لکھنؤ میں آزادی پسندوں اور انگریزی فوجوں میں زبردست معرکے ہوئے۔ ہندوستانیوں میں بے پناہ جوش و خروش اور عزم و ہمت کے باوجود نیپالی گورکھوں کی مدد سے انگریز لکھنؤ اور اودھ پر دوبارا قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ بیگم حضرت محل یہاں سے روہیل کھنڈ چلی گئیں۔ اور جب وہاں کی زمین بھی تنگ ہو گئی تو نیپال کی ترائی میں پناہ گزین ہو گئیں۔ اور بقیہ زندگی جلاوطنی میں انتہائی صعوبتوں میں گذاری۔

وسط ہند میں رانی لکشمی بائی شہزادہ فیروز شاہ، نواب باندہ علی بہادر خان۔ رام گڈھ کی رانی اور تانتیا ٹوپے نے علم آزادی کو سربلند رکھا اور مقدور بھر غلامی کی زنجیریں کاٹنے کی کوشش کی۔

فتح گڑھ اور فرخ آباد میں نواب تفضل حسین خاں کو حاکم بنایا گیا اور انگریزی اقتدار کا خاتمہ کر دیا گیا۔ آگرہ، اٹاوہ، ایٹہ، مین پوری جیسے اضلاع نے بھی اس مقدس جدوجہد میں حصہ تو ضرور لیا مگر کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

علی گڑھ میں نمبر ۹ پیادہ رجمنٹ مقیم تھی انگریزوں کو اس کی وفاداری پر بڑا ناز تھا۔ وی۔ ڈی

ساورکر کے بقول:

"حکومت اس رجمنٹ پر اتنا بھروسہ رکھتی تھی اس کا خیال تھا کہ یہ کبھی بغاوت نہیں کریگی چاہے ہندوستان کے سپاہی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں"

The Government had such confidence in this Regiment, that they thought that it would never revolt even though all the Sepahys in India should rise against them.

علی گڑھ کی اس فوج کے سامنے بلند شہر سے ایک برہمن کو لاکر پھانسی پر چڑھا گیا جس پر یہ الزام تھا کہ وہ فوج میں باغیانہ خیالات پھیلا رہا ہے۔ اس پر یہاں کے فوجی بھڑ گئے مگر پھر بھی اس وفادار فوج نے انگریزوں کے ساتھ اتنی رعایت کی کہ انہیں زندہ بھاگ جانے دیا۔

علی گڑھ کی آزادی کی حفاظت کی کوشش یہاں کے ایک عالم مولوی عبدالجلیل نے اپنے پانچ ہزار ساتھیوں کے ساتھ کی۔ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے مگر ملک ومذہب کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ ضرور پیش کردیا۔ ان شہدا کی قبریں علی گڑھ کی جامع مسجد کے شمالی حصہ میں گنج شہیداں میں ہیں ان کی شکست کے بعد ہی چوراہا عبدالکریم اور پھول چوراہے پر پھانسیاں نصب کی گئیں اور آزادی چاہنے کی پاداش میں سینکڑوں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

ان علاقوں کے علاوہ بھی ملک کے دور دراز حصّوں میں بھی شمع آزادی روشن کرنے کی مقدور بھر کوشش ضرور کی گئی لیکن کہیں اس کی لو مدھم ہی رہی۔ اور کہیں یکبارگی بھڑک کر خاموش ہوگئی۔ بہر حال کامیابی وناکامی سے قطع نظر ملک کے آزادی خواہوں نے بڑے ہی بھرپور طریقے سے اپنا سب کچھ نثار کرکے اس مقدس جنگ کو لڑا اور اپنے مقدور بھر کوشش کی۔ اسی لیے ان مجاہدین کے حضور ہمارے سر عقیدت ومحبت سے جھکتے ہیں اور انہیں سلام پیش کرتے ہیں۔

اسباب ناکامی: یہ عظیم الشان تحریک جس زور شور سے اٹھی تھی اور جس نے چند روز میں انگریزی اقتدار کا جنازہ نکال دیا تھا بالآخر ناکامی پر کیوں منتج ہوئی؟ ہندوستانی

تاریخ کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ صرف چند انگریزوں نے خود ہندوستانیوں کی مدد سے جدوجہد آزادی کو ناکام کر دیا اور اپنوں ہی کے ہاتھوں ان آزادی خواہوں پر وہ مظالم توڑے جو تاریخ عالم کے دیگر مظالم کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ خود انصاف پسند انگریزوں نے ان مظالم کا اعتراف کیا ہے۔ ایڈورڈ تھامپسن کہتا ہے: "غدر سے متعلق تقریباً تمام دستاویزیں زبانِ حال سے ہماری زیادتیوں کا اعلان کرتی ہیں"۔ ارنسٹ جونس کے بقول: "برطانیہ نے ہندوستان میں موت کا اس قدر لرزہ خیز ڈھنگ ایجاد کیا ہے جس کے تصور ہی سے انسانیت کانپ اٹھتی ہے"۔ جان لارنس کے خیال میں تو انگریز نادر شاہ سے بھی بازی لے گئے تھے"۔

ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بہت سے اسباب تھے انگریز مورخوں کے خیال میں انقلابی فوجوں میں انتشار اور بدنظمی اس تحریک کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ انقلابی لیڈروں میں آپسی رقابت، حسد اور اختلافات کی گرم بازاری تھی۔ مختلف رہنما مختلف علاقوں میں الگ الگ جنگ کر رہے تھے ان میں مناسب اور ضروری رابطے کا بھی فقدان تھا۔ پوری تحریک کسی ایک مرکز پر منتظم نہ تھی۔ دہلی میں بخت خاں کی مغل شہزادوں نے ہی بھرپور مخالفت کی اور اس کے کام روڑے اٹکائے خواجہ حسن نظامی کے الفاظ میں:

مرزا مغل نے بخت خاں کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں اور اُن سے مخالفت شروع اور بخت خاں بے چارے پر دو حریفوں کے مقابلے کا بوجھ ٹوٹ پڑا۔ ایک طرف انگریز تھے اور دوسری طرف مرزا مغل۔ اسی کشمکش میں فوجیں قابو سے باہر ہو گئیں انتظام کی مشین بگڑ گئی انگریزوں نے دہلی فتح کر لی اور انقلاب کی اسکیم دھواں ہو کر اڑ گئی"۔ ۳۸ھ

ایک اور موقع پر خواجہ صاحب یوں رقمطراز ہیں: -

"اگر مرزا مغل ان کے سدِراہ نہ ہوتے تو ان کی کامیابی یقینی تھی"۔ ۳۹ھ

پروفیسر نظامی کے خیال میں

بخت خاں روہیلوں کی ضرب المثل تنظیمی صلاحیتوں کا مظہر تھا اس میں مقصد کا خلوص بھی تھا اور عسکری تنظیم کا جذبہ بھی اس نے دہلی میں بدنظمی اور ابتری کو روکنے

کی پوری کوشش کی اگر مغل شہزادے اس کے ساتھ تعاون کرجاتے یا آخریں بہادر اس کے مشورے پر عمل کرلیتا تو بہت سے واقعات کا رخ بدل جاتا"۔ [3]

اس عظیم تحریک کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب سکھوں اور گورکھوں کی وطن عزیز کے ساتھ غداری تھی انھوں نے نہ صرف انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا بلکہ برادران وطن کو کچلنے اور ان پر مظالم ڈھانے میں پیش پیش رہے۔ اسی طرح دیسی ریاستوں کے نواب اور راجاؤں نے انتہائی شرمناک کردار ادا کیا۔ انھوں نے انگریزوں کی دولت اور فوج دونوں سے مدد کی اور ہر جگہ تحریکِ آزادی کو کچلنے میں اہم کردار ادا کیا۔ پنجاب کی سکھ ریاستیں پٹیالہ جنید وغیرہ، راجپوتانہ اور وسط ہند کی ریاستیں بیکانیر جے پور جودھ پور، بھوپال وغیرہ، نواب رامپور اور نظام حیدرآباد نے اس نازک وقت میں مادر وطن کی پیٹھ میں خنجر بھونکنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اکثر امراء ذاتی مفادات کے دلدادہ اور انگریزوں سے مل کر شرمناک سازشوں میں مصروف تھے

اقتصادی اعتبار سے بھی انقلابی بڑی پریشانی کا شکار تھے۔ امراء اور رؤساء اپنی دولت سے انگریزوں کی مدد تو کر رہے تھے مگر انقلابیوں کی مدد کے لیے ذرا بھی تیار نہ تھے۔

غرض یہ کہ مختلف اسباب وعوامل نے مل کر اس عظیم الشان تحریک اور اس مقدس جنگ کو ناکام کردیا اور ملک وقوم کی آزادی کے لیے مزید ۹۰ سال تک انتظار کرنا پڑا۔

حواشی

(۱) اسباب بغاوت ہند۔ سرسید احمد خاں ضمیمہ ۲ حیات جاوید، مولانا الطاف حالی، ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۷۹ء (۹) صفحہ ۸۰۶ (۱۰) صفحہ ۸۲۰ (۱۵) صفحہ ۸۳۵ (۶) صفحہ ۸۳۶ (۲۱) صفحہ ۸۰۶۔

(۲) ؍؍ تاریخ سرکشی بجنور، سرسید احمد خاں، مرتبہ شرافت حسین مرزا ندوۃ المصنفین دہلی بار اول ۱۹۶۴ء (۳۵) صفحہ ۱۴۱

(۳) رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا نمبر ۱، سرسید احمد خاں، حیات جاوید صفحہ ۱۰۱۔

(۴) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، خورشید مصطفیٰ رضوی، طبع اول اپریل ۱۹۵۹ء مکتبہ برہان دہلی۔
(۱) صـ۱۵۶ (۱۲) صـ۱۰۷ (۱۴) صـ۱۰۴ (۱۷) صـ۸۶ (۱۸) صـ۴۹-۴۸ (۲۲) صـ۴۱ (۳۷) صـ۴۷۴

(۵) دلی کی جانکنی۔ خواجہ حسن نظامی، چوتھا ایڈیشن جولائی ۱۹۶۲ء خواجہ اولاد کتاب گھر نظامی الدین نئی دہلی
(۲۷) صـ۵۰ (۲۸) صـ۴۸ (۲۹) صـ۴۴-۴۳ (۳۰) صـ۴۸ (۳۱) صـ (۳۲) صـ۴۹ ۔

۶ غدر کی صبح وشام، خواجہ حسن نظامی، ۱۹۲۶ء حلقہ مشائخ بکڈپو (۲۶) صـ (۳۹) صـ۔

۷ بہادر شاہ کا مقدمہ، خواجہ حسن نظامی چھٹا ایڈیشن ۱۹۴۷ء (۳۸) صـ۲۶۲۔

۸ ۱۸۵۷ء، غلام رسول مہر۔ کتاب منزل لاہور (۲) صـ۵۔

(۹) ۱۸۵۷ء کے مجاہد، غلام رسول مہر، کتاب منزل لاہور۔ (۲۵) صـ۱۰۵۔

(۱۰) حیات حافظ رحمت خاں۔ سید الطاف علی بریلوی، بار اول ۱۹۳۲ء نظامی پریس بدایوں (۳) صـ۲۵۴ (۴) صـ۲۵۵

(۱۱) ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ۔ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ مکتبہ برہان دہلی (۴۰) صـ۲۹۔

(5) Critical and Historical Essays Lord Macaulay Vol III P. 244 -۱۲

British India and England before (41) -Sibility P. 25 -۱۳

Rise of the Christian Power in (4) India Vol 22 P-7 -۱۴

Empire in Asia — Torrens, W.M. (N P. 120 London 1872 -۱۵

Mr. Mangles. Chairman of the Directors of the East India -۱۶

Company in the House of Commons 1857, Savarkar P.56 -۱۷

The Indian War of Independence (11) 1857 Savarkar ND I Edition -۱۷
in India - 1947 (۱۱) صـ۵۶ (۱۲) صـ۵۶ (۳۴) صـ۱۲۶ (۳۶) صـ۱۶۰

(A) Life of Lord Lawrence - Bosworth Smith Vol II P. 158 -۱۸

Indian Mutiny of 1857-58 - Colonel Malleson - London - 1898 ۱۹
(۲۰) صـ۲۰۲۔

British India - Fraser R.W - صـ۱۲۴ (۲۳) -۲۰

Western India - George Aron (Jacob صـ۴۲ (۳۳) -۲۱